بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلیفہ رابع، امیر المومنین

حضرت علی رضی اللہ عنہ

جمع و ترتیب

محمد عبید اللہ خان قاسمی

بزم خطباء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ أجمعین ومن تبعھم بإحسان الی یوم الدین

اما بعد: قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرۃ:۱۳۷)

ترجمہ: اگر تم ایمان اس طرح لاؤ جیسا کہ ایمان صحابہ کرام لائے ہیں تو تحقیق تم فلاح پا جاؤ گے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلی " أنت منی وأنا منك ". وقال عمر توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو عنہ راض. (بخاری:۲۶۹۹)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک ان سے راضی تھے۔

تمہید

انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام کی مقدس جماعت تمام مخلوق سے افضل اور اعلیٰ ہے یہ عظمت اور فضیلت صرف صحابہ کرام کو ہی حاصل ہے کہ اللہ نے انھیں دنیا میں ہی مغفرت، جنت اور اپنی رضا کی ضمانت دی ہے بہت سی قرآنی آیات اور احادیث اس پر شاہد ہیں، صحابہ کرام سے محبت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں جو ان کی افضلیت بیان کی ہے ان کو تسلیم کرنا ایمان کا حصہ ہے،

بصورت دیگر ایمان ناقص ہے، یہ دین چونکہ ہمارے پاس انھیں کے واسطے سے پہنچا ہے اس لیے وہ ہمارے ماں باپ سے زیادہ ہمارے محسن ہیں۔

نبی ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: لا تَسُبُّوا أصْحَابِي، فلَوْ أنَّ أحَدَكُمْ أنْفَقَ مِثْلَ أحُدٍ ذهبًا، ما بَلَغَ مُدَّ أحدِهِم ولا نَصِيفَهُ، میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس لیے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد اور اس کے آدھے کے برابر نہیں ہوسکتا، (بخاری: ۳۶۷۳)

تمام صحابہ فضیلت میں ایک درجہ کے نہیں بلکہ وہ فضیلت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں قرآن میں ہے: لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى، تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ (دوسرے مسلمانوں کے) برابر نہیں، ان کا درجہ بعد میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والوں سے بڑھا ہوا ہے، اور (البتہ) اللہ نے سبھوں سے بہتر (انجام) کا وعدہ فرمایا ہے۔ (الحدید: ۱۰)

یہ بھی ارشاد فرمایا: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ، اللہ مہاجرین وانصار میں سے سبقت اور پہل کرنے والے اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں سے راضی ہوئے اور وہ لوگ بھی اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی رہیں گی، وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ: ۱۰۰) خلاصہ یہ کہ سارے صحابہ فضیلت کے حامل ہیں اور ان میں آپس میں فرق مراتب ہے۔

شرف صحابیت کوئی معمولی چیز نہیں، اس شرف کے لیے اللہ رب العزت نے انھیں منتخب فرمایا، نبی ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: إنَّ اللهَ اختارَ أصحابي على العالمينَ، سِوى النبيينَ والمُرسَلينَ، واختارَ لي مِن أصحابي أربعةً، يعني: أبا بكرٍ وعُمَرَ وعثمانَ وعليًّا، فجعَلَهم مِن أصحابي، وقال في أصحابي: كلُّهم خير، اللہ رب العزت نے نبیوں اور رسولوں کے بعد ساری دنیا سے میرے صحابہ کو منتخب فرمایا، پھر میرے صحابہ میں سے چار یعنی ابوبکر عمر عثمان علی رضی اللہ تعالی عنہم کو چنا، اور ان کو میرا خصوصی یار بنایا، اور فرمایا میرے سارے صحابہ میں خیر ہے، (مجمع الزوائد: ۱۰/ ۱۸)

صحابہ کا تذکرہ کثرت سے کرنا چاہیے، اس لیے بھی ان عظیم ہستیوں کی تعریف کرنا کار خیر ہے کہ قرآن کریم نے ان مقدس

انسانوں کے ایمان کو بعد میں آنے والے انسانوں کے لیے معیار اور پیمانہ بنایا ہے۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرة:۱۳۷) یعنی اگر تم ایمان اس طرح لاؤ جیسا کہ ایمان صحابہ کرام لائے ہیں تو تحقیق تم فلاح پا جاؤ گے،اس لحاظ سے بھی صحابہ کرام کا ذکر کرنا ضروری ہے،تا کہ امت محمد یہ ان کے مقام اور مرتبہ کو سمجھے اور ان کے مطابق ایمان بنانے کی کوشش کرے۔

جماعتِ صحابہ میں سے خاص طور پر وہ ہستیاں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت کی زمامِ اقتدار،امارت،قیادت اور سیادت کی ذمہ داری سنبھالی،اور امور دنیا اور نظامِ حکومت چلانے کے لیے ان کے اجتہادات اور فیصلوں کو شریعتِ اسلامی میں ایک قانونی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے،جنھیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے،ان کا مقام ومرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔

خلفائے راشدین کی سیرت امت کے لیے ایک عظیم خزانہ ہے،اس میں بڑے لوگوں کے تجربات ہیں مشاہدات ہیں خبریں ہیں امت کے عروج اور غلبہ کی تاریخ ہے اس کے مطالعہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کن کن موقعوں پر اہل حق کو عروج اور ترقی ملی،اس کے اسباب جاننے اور جانچنے کا موقع ملتا ہے،اسی طرح تصویر کا دوسرا رخ بھی نظر آتا ہے کہ کن مواقع پر امت ذلت اور پستی کا شکار ہوئی اور اس کے اسباب کیا تھے،ہمیں اپنی عظمت رفتہ اور مرتبے کو حاصل کرنے کے لیے قرون اولیٰ کی تاریخ کو اپنانے کی ضرورت ہے،اس زمانے کے تمام حالات ہمیں معلوم ہونے چاہیے،ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:إنه من يعش منكم يرَ اختلافًا كثيرًا، وإياكم ومحدثاتِ الأمورِ، فإنها ضلالةٌ فمن أدرك ذلك منكم فعليه بسنَّتي وسنةِ الخلفاءِ الراشدِين المهديِّين عَضوا عليها بالنواجذِ وإياكم ومحدَثاتِ الأمورِ؛ فإنَّ كلَّ بدعةٍ ضلالةٌ۔
تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا بہت سارے اختلاف دیکھے گا،اور دین میں نئی چیزوں کے ایجاد کرنے سے بچو،کیوں کہ وہ گمراہی ہے، تو جس نے تم میں سے اس کو پایا تو اسے چاہیے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے،اور اسے دانتوں سے مضبوط تھامے،اور دین میں نئی چیزوں کے ایجاد کرنے سے بچو،کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہ خلفائے راشدین کا مقام ومرتبہ ہے،اسی مناسبت سے خلفائے راشدین کی سیرت کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے،عام طور پر خلفائے ثلاثہ کی سیرت کو ان کے شہادت یا وصال کی تاریخ پر بیان کر دیا جاتا ہے،لیکن خلیفہ رابع داماد رسول سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت چونکہ رمضان کے مہینے میں ہوئی اور رمضان میں عموما روزے زکوۃ اعتکاف شب قدر کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی سیرت بیان نہیں ہو پاتی،اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی سیرت طیبہ کو بیان کیا جائے۔

خاندان اور ولادت

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ خاندان بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے، قریش میں یہ خاندان سب سے زیادہ معزز تھا، اور اس خاندان کے معزز ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ محمد عربی ﷺ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نبی ﷺ کی ولادت کے تیس سالوں کے بعد پیدا ہوئے، چار بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، چار بھائیوں میں سے تین نے اسلام قبول کیا، (طبقات بن سعد: ۲/ ۲۹)

آپ کے والد کا نام عبد مناف اور کنیت ابو طالب ہے اور کنیت سے ہی مشہور ہوئے، ابو طالب نبی ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے، (البدایہ: ۲/ ۲۸۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بھی ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نجیب الطرفین ہاشمی تھے، وہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور مدینہ میں ان کی وفات ہوئی، حضور ﷺ اپنی والدہ کی وفات کے بعد فاطمہ بنت اسد کے پاس ہی رہے وہ آپ کا بہت خیال رکھتی تھیں، (مجمع الزوائد: ۹/ ۲۵۶) جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی ولادت ہوئی تو انھوں نے اسد نام رکھا، اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَةْ   كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَةْ

میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدرہ رکھا ہے، جیسے جنگل کا ببر شیر کہ جسے دیکھنے کے لیے کوئی تیار نہ ہو، حیدرہ شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے، حضرت ابو طالب نے آپ کا نام علی رکھا،

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ: ۶۱۷)

آپ کی کنیت بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ابو الحسن ہے، آپ کی دوسری کنیت ابو تراب ہے اور یہ کنیت رکھنے کی وجہ بخاری میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

عن سهل بن سعد قال: إن كانت احب اسماء علی رضی الله عنه إليه لابو تراب، وإن كان ليفرح ان يدعى بها، وما سماه ابو تراب إلا النبي صلى الله عليه وسلم غاضب يوما فاطمة، فخرج فاضطجع إلى الجدار إلى المسجد، فجاءه النبي صلى الله عليه وسلم يتبعه، فقال: هو ذا مضطجع في الجدار، فجاءه النبي صلى الله عليه وسلم وامتلا ظهره ترابا، فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يمسح التراب عن ظهره ويقول: اجلس يا ابا تراب" (بخاری: ۶۲۰۴)

ترجمہ: سہل بن سعد سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو ان کی کنیت ابو تراب سب سے زیادہ پیاری تھی اور اس کنیت سے انہیں پکارا

جا تا تو بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ یہ کنیت ابوتراب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ایک دن فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خفا ہو کر وہ باہر چلے آئے اور مسجد کی دیوار کے پاس لیٹ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے آئے اور فرمایا کہ یہ تو دیوار کے پاس لیٹے ہوئے ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو علی رضی اللہ عنہ کی پیٹھ مٹی سے بھر چکی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیٹھ سے مٹی جھاڑتے ہوئے (پیار سے) فرمانے لگے ابوتراب اٹھ جاؤ۔

اسی طرح بخاری کی دوسری روایت ہے:عن سهل بن سعد، قال: جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بيت فاطمة فلم يجد عليا في البيت، فقال: اين ابن عمك؟ قالت: كان بيني وبينه شيء فغاضبني فخرج فلم يقل عندي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنسان: انظر اين هو، فجاء فقال: يا رسول الله، هو في المسجد راقد، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مضطجع قد سقط رداؤه عن شقه واصابه تراب، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسحه عنه، ويقول: قم ابا تراب، قم ابا تراب ".(بخاری:۴۴۱)

ترجمہ: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمہارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اوران کے درمیان کچھ ناگواری پیش آ گئی اور وہ مجھ پر خفا ہو کر کہیں باہر چلے گئے ہیں اور میرے یہاں قیلولہ بھی نہیں کیا ہے۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کو تلاش کرو کہ کہاں ہیں؟ وہ آئے اور بتایا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔علی رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو سے گر گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسم سے دھول جھاڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے اٹھو ابوتراب اٹھو۔

اسی وقت سے یہ آپ کی کنیت ہوگئی اور یہ کنیت آپ کو بہت پسند تھی اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنیت کے ذریعہ پکارا تھا۔

اپ کا لقب اسداللہ، حیدر، مرتضیٰ، امیرالمومنین ہے۔

قبول اسلام

علی بن أبي طالب رضي الله عنه جاء بعد ذلك بيوم وهما يصليان، فقال علي: يا محمد ما هذا؟ قال: دين الله الذي اصطفى لنفسه، وبعث به رسله، فأدعوك إلى الله وحده لا شريك له، وإلى عبادته، وأن تكفر باللات والعزى، فقال علي: هذا أمر لم أسمع به قبل اليوم، فلست بقاضٍ أمرا حتى أحدث به أبا طالب، فكره رسول الله أن يفشي عليه سره قبل أن يستعلن أمره، فقال له: يا علي إذا لم تسلم فاكتم، فمكث

على تلك الليلة، ثم أن الله أوقع في قلب على الإسلام، فأصبح غاديا إلى رسول الله، حتى جاءه فقال: ماذا عرضت على يا محمد؟ فقال له رسول الله: تشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وتكفر باللات والعزى، وتبرأ من الأنداد. ففعل على وأسلم، ومكث يأتيه على خوف من أبي طالب، وكتم على إسلامه ولم يظهره۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اس وقت حضرت خدیجہ مسلمان ہو چکی تھیں، دیکھا کہ دونوں نماز پڑھ رہے ہیں، تو پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا دین ہے جس کو اپنے لیے پسند کیا ہے اور اسی کے لیے انبیاء کو مبعوث کیا میں تم کو بھی اللہ واحد اور اس کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ لات اور عزی کو معبود ماننے سے انکار کرو، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا یہ وہ بات ہے جس کو میں نے کبھی نہیں سنا اور جب تک ابو طالب سے ذکر نہ کرلوں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا یہ تھی جب تک اسلام کی دعوت کا علانیہ آغاز نہ ہو تب تک یہ راز فاش نہ ہو، چنانچہ آپ نے فرمایا: اے علی اگر تم ایمان نہیں لاتے ہو تو اس کو ابھی پوشیدہ رکھنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس رات خاموش رہے اللہ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا، صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ نے کل مجھے کیا دعوت دی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور لات وعزی کو معبود ماننے سے انکار کرو اور کسی کو اس کا شریک ٹھہرانے سے براءت کا اظہار کرو، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام قبول کرلیا اور اپنے والد سے چھپ چھپا کر آپ کے پاس آتے تھے اور اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴)

حضرت ابو طالب کثیر العیال تھے اس لیے ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا، اس طرح بچپن سے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں رہے، (السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۲۴۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے احسانات کا بہترین صلہ دینا چاہتے تھے، اس لیے کہ دادا عبد المطلب نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو طالب کی کفالت میں دیا تھا۔

داماد رسول

مکی اور مدنی زندگی میں حضرت علی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نکاح آپ سے کردیا، آپ کی جہاں اور بہت سی خصوصیات ہیں وہیں یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے۔

ہجرت رسول اور جانثاری کا عدیم المثال کارنامہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا تو ہجرت کے اس سفر کے ساتھ دو ایسے صحابہ کا نام ہمیشہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و وفا اور اعتماد کے رشتوں میں سب پر سبقت لے گئے۔ عشق ومحبت کے باب میں سرفہرست آنے والے یہ دو نام تھے۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور دوسرے حضرت علی ؓ، حضرت ابوبکر ؓ کو تو یہ سعادت عظمیٰ ملی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسفر بنے اور حضرت علی ؓ کے حصہ میں یہ قربانی آئی کہ ہجرت کی پُرخطر رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر حضرت علی ؓ محوخواب ہوئے، اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس مکہ والوں کی جو امانتیں تھیں ان کے حوالے کر کے پھر نبی ﷺ کے ساتھ جا ملے، یہ موقع بڑا ہی خوفناک اور نہایت خطرہ کا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار قریش سونے کی حالت میں حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رات بھر آرام سے سویا صبح اٹھ کر لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کو سونپنا شروع کیں اور کسی سے نہیں چھپا اسی طرح مکہ میں تین دن رہا پھر امانتوں کے ادا کرنے کے بعد میں بھی مدینہ کی طرف چل پڑا، راستہ میں بھی کسی نے مجھ سے کوئی تعارض نہ کیا یہانتک کہ میں قبا میں پہنچا، فدائیت اور جاں نثاری کا یہ عدیم المثال کارنامہ تھا جو حضرت علی ؓ نے بائیس، تیئیس برس کی عمر میں انجام دیا۔

شجاعت و بہادری

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری شہرہ آفاق ہے، عرب و عجم میں آپ کی قوت بازو کے سکے بیٹھے ہوئے تھے، جنگ تبوک کے موقع پر سرکار مدینہ ﷺ نے آپ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر فرما دیا تھا اس لئے اس میں حاضر نہ ہو سکے باقی تمام غزوات و جہاد میں شریک ہوکر بڑی جانبازی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا اور بڑے بڑے بہادروں کو اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جنگ بدر میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسود بن عبدالاسد مخزومی کو کاٹ کر جہنم میں پہنچایا تو اس کے بعد کافروں کے لشکر کا سردار عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو ساتھ لے کر میدان میں نکلا اور چلّا کر کہا کہ اے محمد! (ﷺ)، اشراف قریش میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔ اے بنی ہاشم! اُٹھو اور حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کو سن کر حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم دشمن کی طرف بڑھے۔ لشکر کے سردار عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابل ہوا اور ذلت کے ساتھ مارا گیا، ولید

جسے اپنی بہادری پر بہت بڑا ناز تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا اور ڈینگیں مارتا ہوا آپ پر حملہ کیا مگر شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تھوڑی ہی دیر میں اسے مار گرایا اور ذوالفقار حیدری نے اس کے گھمنڈ کو خاک و خون میں ملا دیا۔اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا ہے تو آپ نے اس پر حملہ کیا اور اسے بھی جہنم پہنچا دیا۔

جنگ احد میں جب کہ مسلمان آگے اور پیچھے سے کفار کے بیچ میں آ گئے جس کے سبب بہت سے لوگ شہید ہوئے تو اس وقت سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کافروں کے گھیرے میں آ گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اے مسلمانو! تمہارے نبی قتل کر دیے گیے ہیں، مسلمان یہ سن کر بہت پریشان ہوئے ایسے موقع پر بھی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے، خیبر کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا اس لیے آپ کو فاتح خیبر بھی کہا جاتا ہے،غزوہ خیبر کا معرکہ حضرت علیؓ ہی کی شجاعت سے سر ہوا، جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہوسکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں؛ چنانچہ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلے میں آیا، اس کے جواب میں حضرت علی مرتضی رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور خیبر فتح ہوگیا،خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

غزوات میں غزوہ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائلِ عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف امنڈ آئی تھی؛لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ ہر موقع پر ممتاز رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اکابر کو جھنڈے عنایت فرمائے، ان میں حضرت علی مرتضیٰ بھی شامل تھے،آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعتہ تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان میں ایک حضرت علی مرتضیٰؓ بھی تھے،عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل احادیث کی روشنی میں

خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب اور کردار و کارناموں سے تاریخ اسلام کے اوراق روشن ہیں جس سے قیامت تک آنے والے لوگ ہدایت ورہنمائی حاصل کرتے رہیں گے،حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ "، وَقَالَ عُمَرُ : " تُوُفِّيَ رَسُولُ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ۔ (بخاری: ۳۷۰۱)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا علی رضی اللہ عنہ سے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور عمر رضی اللہ عنہ نے (علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک ان سے راضی تھے۔

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامِ شَكَتْ مَا تَلْقَى مِنْ أَثَرِ الرَّحَا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْيٌ فَانْطَلَقَتْ، فَلَمْ تَجِدْهُ فَوَجَدَتْ عَائِشَةَ فَأَخْبَرَتْهَا فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ بِمَجِيءِ فَاطِمَةَ، فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْتُ لِأَقُومَ، فَقَالَ: " عَلَى مَكَانِكُمَا فَقَعَدَ بَيْنَنَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي، وَقَالَ: أَلَا أُعَلِّمُكُمَا خَيْرًا مِمَّا سَأَلْتُمَانِي إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا تُكَبِّرَا أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، وَتُسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَتَحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ۔ (بخاری: ۳۷۰۵)
ہم سے علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے) چکی پیسنے کی تکلیف کی شکایت کی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں لیکن آپ موجود نہیں تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان سے اس کے بارے میں انہوں نے بات کی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کی اطلاع دی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہمارے گھر تشریف لائے، اس وقت ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے، میں نے چاہا کہ کھڑا ہو جاؤں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں ہی لیٹے رہو، اس کے بعد آپ ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی،۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھ سے جو طلب کیا ہے کیا میں تمہیں اس سے اچھی بات نہ بتاؤں، جب تم سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمدللہ چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ عمل تمہارے لیے کسی خادم سے بہتر ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ترمذی: ۳۷۱۳)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کے دوست ہیں"۔
وضاحت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کا ایک خاص سبب ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا: "لست مولای إنما مولای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی میرے مولی تم نہیں ہو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کہا، امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں

ولی سے مراد ولاء الاِ سلام یعنی اسلامی دوستی اور بھائی چارگی ہے، اس لیے شیعہ حضرات کا اس جملہ سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصل خلافت کے حقدار تھے، صحیح نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں افراط تفریط

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لوگ افراط تفریط میں مبتلا ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وعن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: " ان فيك مثل من عيسى أبغضته اليهود حتى بهتوا أمه وأحبته النصارى حتى أنزلوه بالمنزلة التي ليست له " . ثم قال: يهلك في رجلان: محب مفرط يقرظني بما ليس في ومبغض يحمله شنآني على أن يبهتني .

اور حضرت علی کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فرمایا" تم میں عیسیٰ علیہ السلام سے ایک طرح کی مشابہت ہے یہودیوں نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) سے بغض رکھا تو اتنا زیادہ رکھا کہ ان کی ماں (مریم علیہ السلام) پر (زنا کا) بہتان باندھا اور عیسائیوں نے ان سے محبت و وابستگی قائم کی تو اتنی (زیادہ اور غلو کے ساتھ قائم کی) کہ ان کو اس مرتبہ ومقام پر پہنچا دیا جو ان کے لئے ثابت نہیں ہے (یعنی ان کو" اللہ" یا ابن اللہ" قرار دے ڈالا) یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت علی نے کہا (مجھے یقین ہے کہ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح میرے بارے میں بھی) دو شخص یعنی دو گروہ اس طرح ہلاک (یعنی گمراہ) ہوں گے کہ ان میں سے ایک تو جو مجھ سے محبت رکھنے والا ہوگا اور اس محبت میں حد سے متجاوز ہوگا، مجھ کو ان خوبیوں اور بڑائیوں کا حامل قرار دے گا جو مجھ میں نہیں ہونگی، اور ایک جو مجھ سے بغض وعناد رکھنے والا ہوگا، میری دشمنی سے مغلوب ہو کر مجھ پر بہتان باندھے گا۔" (مسند احمد:۲/۳۵۵)

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جو پیش گوئی فرمائی اور جس کی طرف خود حضرت علی نے واضح طور پر اشارہ کیا وہ پوری ہو کر رہی۔ روافض اور شیعوں نے حب علی میں حد سے اس قدر تجاوز کیا کہ تمام صحابہ پر یہاں تک کہ انبیاء پر ان کی فضیلت کے قائل ہوئے بلکہ بعض طبقوں (جیسے نصیریوں وغیرہ) نے تو حضرت علی کو مقام الوہیت تک پہنچا دیا، ان کے مقابلہ پر دوسرا گروہ وہ خارجیوں کا پیدا ہوا، وہ حضرت علی کی دشمنی میں حد تک بڑھ گئے کہ کوئی بڑے سے بڑا بہتان ایسا نہیں چھوڑا جو ان کی پاکیزہ شخصیت پر انہوں نے نہ باندھا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ محبت وعقیدت وہی مستحسن ومطلوب ہے جو حد سے زیادہ متجاوز نہ ہو اور عقل وشریعت کے مسلمہ اصول کے مطابق ہو، ایسی محبت وعقیدت جو حد سے متجاوز ہو در حقیقت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے اور غیر معتدل ہونے کے سبب راہ مستقیم سے باہر کر دیتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی محبت وعقیدت

رکھنے والے شخص کو جو اگر چہ بظاہر مسلمان و دیندار نظر آتا ہے" گمراہ انسان" کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کو جس چیز نے راہ مستقیم پر گامزن کر رکھا ہے وہ محبت وعقیدت کے باب میں ان کا اعتدال وتوازن ہے کہ وہ افراط اور تفریط دونوں سے محفوظ ہیں، بہر حال اہل ایمان واسلام کی زندگی کا سرمایہ سعادت دو چیزیں ہیں ایک تو خاندان نبوت کی محبت اور دوسری اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم جو شخص اس سرمایہ سعادت کو حاصل کر کے اپنی دنیا اور عقبی بنانا چاہے اس کو لازم ہے کہ ان دونوں کے درمیان اعتدال وتوازن رکھے اور اسی اعتدال وتوازن کے ساتھ ان دونوں کی محبت کو اپنے اندر جمع کرے۔

درسگاہ نبوت سے خصوصی تعلق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہ نبوت میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، اکثر سفر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، آپ کے تقرب واختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر بھی فرماتے تھے، غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتدا ہی سے علم وفضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلیہ اقدس، آپ کی نماز ومناجات ودعا ونوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ ہی سے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہتے تھے اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا۔(ازالۃ الخفاء:۲۵۵)

حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے ایام طفولیت ہی سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لیے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسنِ تربیت کا نمونہ تھے، آپ کی زبان کبھی کلمہ شرک وکفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی، جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے، شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جا سکتا۔

امانت ودیانت

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے ابتداء ہی سے امین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی، (اسد الغابہ:۴/۱۹)

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں۔

زہد

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی ؛ بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہوگیا، آپ کے کاشانۂ فقر میں دنیاوی شان وشکوہ کا درگزر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ہی ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان ہی میرے لیے بس ہے۔

بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور شہنشاہ اقلیم زہد وقناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا، حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے، اسی نئی زندگی کے ساز وسامان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سیدہ جنت جو ساز وسامان اپنے میکہ سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہوسکا، چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہوجاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا، بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے، ایک دفعہ بھوک کی شدت میں کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کرکے کچھ کما لائیں، عوالی (مدینہ کے قرب وجوار کی آبادی کا نام عوالی تھا) مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کررہی ہے، خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے، اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے، یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، غرض اس محنت ومشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملیں ؛ لیکن تنہا کھانے کی عادت نہ تھی اس کو لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔ (مسند ابن حنبل:۱/ ۱۳۵)

ایامِ خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، موٹا چھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی، ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انہوں نے کہا، امیر المومنین ! آپ کو پرند کے گوشت سے شوق نہیں ہے، فرمایا ابن زریر! خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔ (مسند احمد:۱/ ۷۸)

گھر پر کوئی حاجب نہ تھا نہ دربان، نہ امیر نہ کروفرنہ شاہانہ تزک واحتشام اورعین اس وقت جب قیصر وکسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زروجواہراگل رہی تھی، اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھااوراس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ دادودہش کی بدولت کبھی فقروفاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تہہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا، ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا'' امیر المومنین! میں تہہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی، ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں، حضرت سرورِکائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے اس لیے واپس آکر سورہی، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ کی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور فرمایا کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتادوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے مفید ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح کی تعلیم دی۔

(بخاری، بَاب التَّكْبِيرِ وَالتَّسْبِيحِ عِنْدَ الْمَنَامِ، حدیث نمبر:۵۸۴۳)

عبادات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادات ان کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے، کلام پاک کی اس آیت:"مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا" (الفتح:۲۹)

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں باہم رحمدل ہیں، تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ کرکے خدا کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو کرتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِينَ مَعَهُ سے ابوبکر صدیقؓ، أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے عمر بن الخطابؓ، رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ سے عثمان بن عفانؓ، رُكَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں، (تفسیر فتح البیان) اس سے عبادت میں تمام صحابہ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوئی ہے کیونکہ رکوع وسجود جو تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا، پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے، ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دنوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر پڑھ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں، (مسند ابن حنبل: ۱/۱۰۷)

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت علیؓ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے؛ لیکن دل غنی تھا کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا حتی کہ قوت لایموت تک دے دیتے، ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کیے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا، اب پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدادی، حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا؛ لیکن تیار ہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا، اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا، غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا اور یہ مرد خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں، **وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا** (دھر:۸) کی آیت نازل ہوئی۔ (بخاری کتاب المناقب، مناقب علیؓ)

تواضع

سادگی اور تواضع حضرت علیؓ کی پہچان تھی، اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا، لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی جوتا ٹانکتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، ایام خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی، عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنتے اور معمولی کپڑے کی تہہ بند باندھتے، بازار میں گشت کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہو لیتا تو منع فرماتے کہ اس میں ولی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔

اصابت رائے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ صائب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا؛ چنانچہ آپ تمام مہماتِ امور میں شریک مشورہ کیے جاتے تھے، واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے راز داروں میں جن لوگوں سے مشورہ کیا، ان میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوہ طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوبکر وعمرؓ دونوں کے مشیر تھے؛ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین وانصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی، اس کے رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں؛ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے، کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے، اس اعتماد کی بنا پر بعض امور میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی ہے، معرکہ نہاوند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بے حد تشویش میں مبتلا کر دیا، تو انہوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی، حضرت طلحہؓ نے کہا امیر المومنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام ویمن وغیرہ سے فوجیں جمع کر کے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدانِ جنگ تشریف لے جائیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں ہٹیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہوجائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہوجائے گی، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام ویمن وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں، حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے، حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لیے۔

آپ کی اصابت رائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں میں ملتا ہے احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا: ما اجد فیھا الا ما قال علی، میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علی نے کیا۔

ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا: الحمدللہ الذی جعل فینا الحکمۃ اھل البیت، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی۔ (ازالۃ الخفاء:۲۶۹)

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے لیکن اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

دورِ خلافت

جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا تو اسی وقت آپ نے اسلامی خلافت کی باگ ڈور سنبھال لی، آپ کی خلافت جملہ چار سال، نو مہینے اور چند دن رہی۔ (الاکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابۃ)

مدینہ منورہ کی عظمت وتقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوفہ کو حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے دار الخلافہ بنالیا، اور آپ نے دینی لبادہ اوڑھے ہوئے دشمنان اسلام بے ادب وگستاخ فرقہ خوارج کا مقابلہ کیا اور مقام نہاوند میں انہیں تہ تیغ کیا۔

مشاجرات صحابہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جو باہمی نزاعات اور مشاجرات ہوئے ہیں ان پر لب کشائی مناسب نہیں، تمام صحابہ کرام اسلام کے لیے مخلص، اور حق گوئی وحق طلبی کے لیے کوشاں تھے، مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بحث وتکرار سے گریز کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے خود کو شیطان کے حوالے کرنے کے اور کچھ نہیں ہے، علمائے امت نے بارہا اس سے خبردار کیا ہے۔

رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میرے تمام صحابہ عادل ہیں، عدالتِ صحابہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان سے بشری غلطیاں بالکل سرزد نہیں ہوئیں یا ان سے خطاؤں کا قطعاً وقوع نہیں ہوا، یہ خاصہ ومنصب تو انبیا علیہم السلام کا ہے، صحابہ کرام کا نہیں، بلکہ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ ان سے بشری غلطیوں کا صدور ہوا ہے، مگر جب ان کو متنبہ کیا گیا تو فوراً وہ اس سے تائب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کی ضمانت لی ہے، جہاں تک اجتہادی خطاؤں کے صدور کا سوال ہے تو اس کے وقوع سے بھی کسی کو انکار نہیں۔

بزم خطباء ایک ٹیلیگرام چینل ہے جس میں خطباء کے لیے مواد مہیا کیا جاتا ہے اپنے دوست احباب کو شامل فرمائیں

امام نووی شرح صحیح مسلم میں رقم طراز ہیں: و مذهب أهل السنة و الحق إحسان الظن بهم و الإمساك عما شجر بينهم و تاويل قتالهم، وإنهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية ولا محض الدنيا، بل اعتقدو اكل فريق أنه المحق و مخالفه باغ فوجب قتاله ليرجع الى أمر الله، و كان بعضهم مصيباً و بعضهم مخطئاً معذوراً في الخطأ لأنه بإجتهاد و لمجتهد إذا أخطألا إثم عليه و كان على رضى الله عنه هو المحق المصيب في ذلك الحروب هذا مذهب أهل السنة و كانت القضايا مشتبة حتى أن جماعة من الصحابة تحيروا فيها فاعتزلوا الطائفتين ولم يقاتلوا ولو تيقنوا الصواب لم يتأخروا عن مساعدته. (شرح صحیح مسلم، کتاب الفتن)

اہلِ سنت اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے۔ ان کے آپس کے اختلافات میں خاموشی اور ان کی لڑائیوں کی تاویل کی جائے، وہ بلاشبہ سب مجتہد اور صاحب رائے تھے معصیت اور نافرمانی ان کا مقصد نہ تھا اور نہ ہی محض دنیا طلبی پیش نظر تھی، بلکہ ہر فریق یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا باغی ہے اور باغی کے ساتھ لڑائی ضروری ہے تاکہ وہ امر الٰہی کی طرف لوٹ آئے، اس اجتہاد میں بعض راہ صواب پر تھے اور بعض خطا پر تھے، مگر خطا کے باوجود وہ معذور تھے کیونکہ اس کا سبب اجتہاد تھا اور مجتہد خطا پر بھی گنہگار نہیں ہوتا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اہلِ سنت کا یہی موقف ہے، یہ معاملات بڑے مشتبہ تھے یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس پر حیران و پریشان تھی جس کی بنا پر وہ فریقین سے علیحدہ رہی اور قتال میں انہوں نے حصہ نہیں لیا، اگر انہیں صحیح بات کا یقین ہو جاتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاونت سے پیچھے نہ رہتے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں: اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں، نیک محمل پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیے، کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر مبنی تھیں، نہ کہ ہوا و ہوس پر، یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ (مکتوباتِ امام ربانی، مکتوب: ۲۵۱)

مزید فرماتے ہیں: یہ اکابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی تاثیر سے ہوا و ہوس، کینہ و حرص سے پاک صاف ہو گئے تھے، ان حضرات کے اختلافات کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہیے۔ (مکتوب: ۶۷ دفتر دوم)

اس کے برخلاف بدگوئی و فضول گوئی پھوٹ پیدا کرتی ہے، جو شیطان کا کام ہے، وہ اس کے ذریعہ سے لوگوں میں غصہ، نفرت، عداوت، کینہ، حسد، نفاق کے بیج بوتا ہے۔

شہادت

ابن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تیمی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے منصوبہ بنایا حضرت علی، معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو ایک ہی رات میں قتل کر دیا جائے۔ ابن ملجم کوفہ آ کر دیگر خوارج سے ملا جو خاموشی سے مسلمانوں کے اندر رہ رہے تھے، اس کی ملاقات ایک حسین عورت قطامہ سے ہوئی، جس کے باپ اور بھائی جنگ نہروان میں مارے گئے تھے، ابن ملجم اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا اور اسے نکاح کا پیغام بھیجا، قطامہ نے نکاح کی شرط یہ رکھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے، ایک خارجی شبیب نے ابن ملجم کو روکا بھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اسلام کے لیے خدمات کا حوالہ بھی دیا لیکن ابن ملجم نے اسے قائل کر لیا، اس نے نہایت ہی سادہ منصوبہ بنایا اور صبح تاریکی میں چھپ کر بیٹھ گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ جب فجر کی نماز کے لیے مسجد کی طرف آ رہے تھے تو اس نے آپ پر حملہ کر کے آپ کو شدید زخمی کر دیا، اس کے بقیہ دو ساتھی جو حضرت معاویہ اور عمرو رضی اللہ عنہما کو شہید کرنے روانہ ہوئے تھے، ناکام رہے۔ برک بن عبداللہ، جو حضرت معاویہ کو شہید کرنے گیا تھا، انہیں زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ حضرت عمرو اس دن بیمار تھے، اس وجہ سے انہوں نے فجر کی نماز پڑھانے کے لیے خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ خارجی عمرو بن بکر نے عمرو بن عاص کے دھوکے میں خارجہ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد وہ گرفتار ہوا اور مارا گیا۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

بزم خطباء ٹیلیگرام چینل میں شامل ہونے کے لیے ٹیلیگرام کے تلاش کے خانہ میں لکھیں

@bazmekhateeb

اور شامل ہو جائیں

نوٹ: اس مواد کو تیار کرنے میں مختلف اہل علم کے مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے اور اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔